اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق و فرائض
(فقہی قواعد کلیہ کے تناظر میں خصوصی مطالعہ)

Rights and Duties of Non-Muslims in the Islamic State
(A Special Study in the light of Islamic Legal Maxims)

ڈاکٹر ذوالفقار علی☆

Abstract

The Non-Muslims whom live in the territory of Islamic State are called Zimmis. They are as citizens of the Islamic State as Muslims. This paper shows the rights of the non-Muslims which they have in the Islamic State along with their duties in which they are to be bound to perform positively. In their religious matters, they remain free from any sort of restriction and to be dealt with their own personal laws; however, they are to be bound in public Law of the State like other Muslim citizens. When they obey the public law, then the State is bound to protect their fundamental human rights i.e., right to life, tight to property and right to respect or honor as well. Their religious places are to be protected by the Islamic State. They have right to worship according to their own religion and have right to perform their other rituals. They are not be forced for accepting Islam at any period of life. However, in response of these rights they are to be bound to pay poll tax and if they have land than land tax as well. In these taxes their women, children and clergy men are to be exempted from paying any sort of taxes. If some of them join to the service of the State's Army and Defense ministry then too are be free from all sort of taxes. In criminal matters or in other illegal practices, the public Law is to be applied over them. If they disobey the Law of the Land and become rebel then they are tol be treated as enemies of the State.

☆ اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج فار بوائز، راولپنڈی، پاکستان۔

اسلامی ریاست کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں ہجرت کے پہلے سال مدینہ منورہ میں ''میثاق مدینہ'' کے انعقاد کے بعد ظہور پذیر ہوئی۔اس میثاق کو اسلامی ریاست کا پہلا دستور بھی کہا جاتا ہے۔اس دستور میں مسلمانوں کے حقوق و فرائض کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کی حدود میں بسنے والے تمام باشندوں (خواہ وہ مسلمان تھے یا غیر مسلم) کے بنیادی حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا تھا۔اس بنیادی دستاویز کے بعد نہ صرف عہد نبوت ﷺ یا خلفائے راشدینؓ کے ادوار میں بلکہ آئندہ آنے والے وقتوں میں بھی غیر مسلم اقوام کے ساتھ نہ صرف شہریت اختیار کرنے کے نئے معاہدات وجود میں آئے بلکہ ان کے حقوق و فرائض میں بھی تنوع آتا رہا۔قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ کی بنیادی واصولی رہنمائی کے تناظر میں فقہ اسلامی کی تدوین ہوئی۔فقہائے کرامؒ نے جہاں دیگر شعبوں کے لیے قانونی کام کیا وہاں اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے حقوق و فرائض کی نہ صرف جزئیات طے کیں بلکہ ایسے فقہی قواعد کلیہ بھی وضع کیے جن سے عصر حاضر میں بھی قانونی عدالتیں جزئیات کے ناپید ہونے ان سے استفادہ کرتی ہیں۔اس تحقیقی مقالے میں فقہائے کرامؒ کی ان کاوشوں کے تناظر میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ آیا اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی بھی ویسی ہی قانونی حیثیت ہوتی تھی جیسا کہ مسلمانوں کی ہوتی تھی یا اس میں کچھ فرق ہے۔ماضی کی اسلامی ریاست کی شہریت اختیار کرنے کے بعد غیر مسلموں کو کون سے حقوق حاصل ہو جاتے تھے؟ کیا ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری عام مسلمانوں کی طرح ریاست پر ہوتی تھی یا ان کے لیے کوئی اور ضابطہ کار ہوتا تھا؟ کیا غیر مسلم شہری اپنی عبادات اور دیگر مذہبی رسومات ادا کرنے میں آزاد ہوتے تھے؟ کیا ریاست کا پبلک لا مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے یکساں تھا؟ ریاست غیر مسلموں سے کس قسم کے ٹیکس وصول کرتی تھی؟ اور اگر کوئی غیر مسلم ٹیکس نہ دیتا تو کیا ریاست اسے سزا دے سکتی تھی؟ یا وہ کون سے غیر مسلم شہری ہیں جنھیں اسلامی ریاست ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیتی تھی؟اس قسم کے اور بھی متعدد سوالات ہیں جن کے جوابات تلاش کرنے کے لیے فقہی کتب سے اخذ کردہ قواعد کلیہ اور ان کے ضمن میں پائی جانے والی جزئیات جاننے کی یہ سعی کی گئی ہے:

قاعدہ کلیہ ۱:الذمی من أهل دارنا كالمسلم(۱)

''ذمی ہمارے شہریوں میں سے مسلمان کی مانند ہوتا ہے۔''

ذمی کا مفہوم

اسلامی ریاست مسلمانوں کے علاوہ اپنی ریاستی حدود میں اگر کسی غیر مسلم باشندے کو شہریت دے کر اس کی جان و مال ،عزت و آبرو اور عقیدے کے تحفظ کی ذمہ داری (ایک مخصوص قسم کے جزیہ ٹیکس کے عوض) اپنے ذمے لے لے تو اس غیر مسلم شہری کو ذمی کہا جاتا ہے(۲)اس بنا پر غیر مسلموں کو بعض اوقات اہل ذمہ یا **اهل العقد** کہا جاتا ہے۔

قانونی اعتبار سے ان اہل ذمہ یا اہل العقد کی تین قسمیں ہوسکتی ہیں:

i۔معاہدین

وہ غیر مسلم جنھوں نے ریاست کی شہریت اختیار کرتے وقت مسلمانوں کے ساتھ باہمی مشاورت اور مسلمہ شرائط کے تحت تعلقات کی نوعیت اور جملہ حقوق وفرائض کا تعین کرلیا ہو۔

ii۔مفتوحین

وہ غیر مسلم جنھوں سے مسلمانوں سے باقاعدہ جنگ لڑی ہو اور شکست کھانے کے بعد اپنے مذہب پر برقرار رہتے ہوئے اسلامی ریاست کی شہریت اختیار کی ہو۔

iii۔موادعین

وہ غیر مسلم جنھوں نے جنگ کے دوران میں بعض شرائط کی بنیاد پر مسلمانوں سے صلح کر لی ہو۔اس لیے انھیں ''اہل صلح'' بھی کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں اقسام میں سے ہر ایک غیر مسلم کے لیے اگرچہ ''ذمی'' کا لفظ بولا جاتا ہے،لیکن احکامِ شرعیہ کے اعتبار سے ان میں تھوڑا بہت فرق موجود ہے۔جیسے مفتوحین صرف وہی حقوق لینے کے حق دار ہوتے ہیں جو اسلامی ریاست ان کے لیے اپنی طرف سے طے کردے۔جب کہ اہلِ صلح اور معاہدین وہ حقوق بھی لینے کے حق دار بن جاتے ہیں جو انھوں نے معاہدے کے دوران اسلامی ریاست سے اپنے لیے مخصوص کروالیے ہوں۔جیسے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں قبیلہ بنو تغلب نے ذمی بننے سے پہلے اپنے لیے بعض مخصوص شرائط منظور کروالیں تھیں (۳)۔

مذکورہ بالا قاعدے کے تناظر میں اسلامی ریاست کی حدود میں مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کو جو حقوق حاصل ہو جاتے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

جان کے تحفظ کا حق

اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہری کو مسلمان کی طرح جو سب سے پہلا حق حاصل ہوتا ہے وہ اس کی جان کی حفاظت ہے۔اسلام کے پبلک لا میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے بلکہ تمام شہریوں کو یکساں قانونی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔شرعی اعتبار سے بلاوجہ کسی شخص کا قتل ساری دنیا کو قتل کرنے کے مترادف ہے (۴)۔اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل کردے یا اس کی آنکھ پھوڑ دے، ناک یا کان کاٹ دے یا دانت توڑ دے یا کوئی اور عضو زخمی کردے تو قصاص میں اس سے بھی اسی طرح کا سلوک روا رکھا جائے گا سوائے اس کے کہ مجروع شخص اس پر رحم کھاتے ہوئے معاف کردے (۵) قانونی طور پر مسلم و غیر مسلم شہری جان کی حرمت کے اعتبار سے برابر ہوتے ہیں۔لہٰذا برابری کے پہلو کو نظرانداز نہیں کیا جاتا (۶)۔

اسی طرح مرد و عورت کی بھی تفریق بھی نہیں کی جاتی۔ صرف مجرم ہی سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے(۷)۔ یہاں زمانہ جاہلیت کی طرز پر کہ جرم کوئی کرے اور سزا کوئی بھرے کا اصول روا نہیں رکھا جاتا۔ غیر مسلم شہریوں کی جان و مال کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خصوصی ہدایات ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس کسی مسلمان نے غیر مسلم شہری کو بلا وجہ قتل کیا تو وہ جنت کی خوش بو تک نہ سونگھ سکے گا حالاں کہ اس کی خوش بو چالیس سال کی مسافت سے آ رہی ہوگی(۸)۔ ایک روایت میں ہے کہ عہد نبوت ﷺ میں ایک مسلمان سے ایک ذمی قتل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے بدلے میں قاتل کو سزائے موت کا حکم صادر فرمایا(۹)۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اہل حیرہ کے ایک ذمی کے بدلے میں قتل کرنے والے مسلمان کے قتل کا حکم جاری کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں ھرمزان نامی ذمی کے قتل کے بدلے میں عبید اللہ بن عمرؓ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ مگر کچھ لوگوں نے اس کے ورثا کو دیت دے کر راضی کر لیا جس بنا پر وہ سزا سے بچ سکے(۱۰)۔ اسی برابری کے اصول پر حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ " من کان له ذمتنا فدمه کدمنا و دیته کدیتنا"(۱۱) (یعنی جب غیر مسلم ہمارے ملک کا شہری بن جائے تو اس کا خون ہمارے خون کے برابر اور اس کی دیت ہماری دیت کی مانند ہو جاتی ہے۔

مال کے تحفظ کا حق

غیر مسلم شہری کا دوسرا بنیادی حق اس کے مال کا تحفظ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں اہلِ ذمہ سے جزیہ لینے کے لیے ایک صحابیؓ کو رخصت کرنے لگے تو انھیں ارشاد فرمایا کہ " خبردار جو کسی غیر مسلم شہری پر ظلم کیا یا اس کی طاقت سے بڑھ کر اسے تکلیف دی یا اس کا کوئی نقصان کیا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس کی کوئی چیز لی، ورنہ قیامت کے دن میں اس کی طرف سے تم سے جھگڑا کروں گا(۱۲)۔"

امام ابن قدامہؒ کے نزدیک غیر مسلم شہریوں کے مال کا تحفظ مسلمانوں کے مال کی طرح ضروری ہے(۱۳)۔ جمہور فقہاء کے نزدیک اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کا مال چوری کر لے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے(۱۴)۔ اسی طرح اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہری کو تجارتی حوالے سے وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جو کسی عام مسلمان کو ہیں۔ اس کے مال کو نقصان پہنچانے والے پر تاوان لازم آتا ہے اگر چہ اس کے مال میں سور اور شراب ہی کیوں نہ ہوں(۱۵)۔

عزت و آبرو کے تحفظ کا حق

غیر مسلم شہری کو اسلامی ریاست میں تیسرا بنیادی حق اس کی عزت و آبرو کے تحفظ کا حق ہے۔ اس کی عزت و آبرو کی حرمت مسلمانوں کی عزت و آبرو کی طرح ہے۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم عورت سے زنا کا مرتکب ہو تو وہ اسی طرح کا مجرم

تصور ہوتا ہے جیسے کسی مسلمان عورت سے زنا کرنے والا ہوتا ہے اور اس کی سزا بھی ویسی ہی ہے جو کسی مسلمان عورت سے زنا کرنے میں ہوتی ہے(۱۶)۔

قاعدہ کلیہ۲: أصل الکفر من أعظم الجنایات ولکنھا بین العبد و بین ربّہ(۱۷)۔

(کفر کی اصلیت بڑے جرائم سے تعلق رکھتی ہے لیکن یہ معاملہ بندے اور اس کے رب کے درمیان کا ہے)۔

مذہبی آزادی کا حق

مذکورہ بالا قاعدے کے مطابق مذہبی اعتقادات و معاملات چوں کہ غیر مسلم شہری کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کے سامنے جوابدہ ہوں گے، اس لیے اسلامی ریاست کی حدود میں انھیں مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے اور قبول اسلام کے حوالے سے انھیں مجبور کرنا درست نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ. قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِ﴾(۱۸)

(زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں، بے شک جدا ہوچکی ہے ہدایت گمراہی سے)۔

ایک اور آیت مبارکہ میں ہے:

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا﴾(۱۹)

(اور اگر تیرا رب چاہتا بے شک ایمان لے آتے جتنے لوگ کہ زمین میں ہیں سارے تمام)۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذمے دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح صرف یہ ڈیوٹی اور ذمہ داری لگائی تھی کہ وہ لوگوں تک دین اسلام کا پیغام پہنچائیں اب وہ قبول کریں یا نہ کریں یہ آپ کی ذمہ داری نہ تھی۔ حسب ذیل آیات مبارکہ بھی اس امر کی شاہد ہیں:

﴿فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَاب﴾(۲۰)

(سو تیرا ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور ہمارا ذمہ ہے حساب لینا)۔

﴿قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ– وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾(۲۱)

(کہا ہمارا رب جانتا ہے ہم بے شک تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں اور ہمارا ذمہ یہی ہے۔ پیغام پہنچا دینا کھول کر)۔

شریعت اسلامیہ نے غیر مسلموں کو یہ آزادی دی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اسلام قبول کرنا چاہیں تو ان کی مرضی ہے اور وہ ایسا کرسکتے ہیں مگر ان پر زبردستی اور جبر ہرگز نہ کیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾(۲۲)

(اور کہہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے)۔

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾(۲۳)

(ہم نے سجھائی راہ، یا حق مانتا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے)۔

قرآن مجید کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے بھی یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد یہودی قبیلوں کے ساتھ ان کے اپنے مذہب پر رہتے ہوئے ''میثاق مدینہ'' ایسا معاہدہ کیا اور کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ اس بنا پر فقہ حنفی کے ممتاز سکالر الجصاصؒ لکھتے ہیں:

''من دخل فی الذمة لم یجز اکراهه علی الاسلام''(۲۴)

(جو غیر مسلم عقد ذمہ میں داخل ہو تو اسے اسلام پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے)۔

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''لاتکرھوا احداً علی دخول فی دین الاسلام فانه بین واضح جلی دلائله و براهینه لایحتاج الی ان یکره احد علی الدخول فیه''(۲۵).

(دین اسلام میں داخل ہونے کے لیے کسی پر جبر نہ کیا جائے کیوں کہ اسلام اپنے دلائل و براھین میں واضح تر ہے اور یہ ایسا محتاج بھی نہیں ہے کہ اس میں شامل کرنے کے لیے کسی پر جبر سے کام لیا جائے)۔

الغرض اسلامی ریاست کی غیر مسلموں سے متعلق مذکورہ بالا مذہبی رواداری قرآن وسنت کی نصوص پر مشتمل ہے۔ جسے بالائے طاق رکھ کر کسی بھی دور کی اسلامی حکومت کا قانون سازی کرنا ممکن نہیں ہے۔

قاعدہ کلیہ۳: الذمی ملتزم أحکام الإسلام فیما یرجع الی المعاملات(۲۶)

(دنیاوی معاملات میں ذمی اسلامی قوانین پر عمل پیرا ہونے کا پابند ہے)۔

ریاست کا قانون اور اس کی پابندی

دنیا کے تمام جمہوری ممالک کی طرح اسلامی ریاست میں دو قسم کے قوانین نافذ ہوتے ہیں۔

۱۔ شخصی قانون (Private law)

۲۔ عمومی قانون (Public law)

شخصی قانون کا دائرہ کار عام طور پر اعتقادات، عبادات، مناکحات اور حلت وحرمت ایسے مسائل پر محیط ہوتا ہے جب کہ ملکی

قانون کے مطابق میں ریاست کے سیاسی، انتظامی، فوجداری اور عدالتی معاملات شامل ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا قاعدے کی رو سے دنیاوی معاملات سے متعلق غیر مسلم شہری کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ریاست کے دیگر شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں اور فرائض کی ادائیگی کے معاملے میں وہ ملکی قانون کا پابند ہوگا۔ جس کی مختصراً وضاحت حسب ذیل ہے:

قانون شہریت کی پابندی

عام طور پر غیر مسلم کو اسلامی ریاست میں اس وقت شہریت دی جاتی ہے جب وہ باقاعدہ طور پر ریاستی پالیسی اور اس کی طے شدہ شرائط کے مطابق درخواست دے۔ اگر درخواست میں کسی قسم کا قانونی سقم نہ ہو تو الشیبانیؒ کے نزدیک اسے اتھارٹی کی طرف سے رد نہیں کیا جانا چاہیے اور شہریت دے دینی چاہیے (۲۷) شہریت دیئے جانے کے بعد قانونی طور پر غیر مسلم اور اسلامی ریاست کے مابین شہریت کا معاہدہ طے پاتا ہے جس کی خلاف ورزی قانوناً جرم شمار ہوتی ہے۔ اس معاہدے کے تحت اسلامی ریاست غیر مسلم اور اس کے بیوی بچوں کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے جس کے عوض سال گزرنے پر اس پر جزیہ ٹیکس واجب الاداء ہوجاتا ہے (۲۸)۔ اگر کوئی غیر مسلم بلاوجہ ٹیکس نہ دے تو الکاسانیؒ کے بقول اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہوگی نہ ہی ذمہ داری کا معاہدہ برقرار رہے گا (۲۹)۔

فوجداری مقدمات

عقد ذمہ کے بعد اگر کوئی غیر مسلم جرائم میں ملوث پایا جائے تو اس پر اسلامی ریاست کے پبلک لا (Public law) کے مطابق مقدمہ قائم کیا جائے گا اور اسے ویسی ہی سزا دی جائے گی جیسے کسی عام مسلمان شہری کو دی جاتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی چوری کرے یا غیر مسلم کسی مسلمان کی تو قانون کی نظر میں دونوں برابر کے مجرم ہوں گے۔ قاضی ابو یوسفؒ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان عورت کو زنا پر مجبور کرے تو ہمارے فقہائے احناف کے قول کے مطابق اس پر ویسے ہی حد لاگو ہوگی جیسے کسی عام مسلمان پر لاگو ہوتی ہے (۳۰)۔ قاضی ابو یوسفؒ خلفائے راشدینؓ کے دور کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک غیر مسلم نے ایک مسلمان عورت کو زنا پر مجبور کیا جس کا مقدمہ ابوعبیدہؓ کی عدالت میں درج ہوا جس کی سماعت کے دوران آپؓ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا: "**ما علی هذا صالحناکم ،فضربت عنقه**" (۳۱) (کیا ہم نے تم سے اس لیے مصالحت کی تھی (کہ تم زنا کرتے پھرو) پھر اس کی گردن ماردی گئی)۔ ایسا ہی ایک قول حضرت عمرؓ سے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے (۳۲)۔ اسی طرح اگر غیر مسلم شہری کسی مسلمان پر تہمت لگائے تو اس پر بھی حد جاری ہوگی (۳۳)۔

قانون شہادت

اسلامی ریاست کی عدالت میں جس طرح کسی حربی کی شہادت کو مسلمانوں کے خلاف قبول نہیں کیا جاتا ایسے ہی اگر کوئی حربی کسی غیر مسلم شہری کے خلاف شہادت دے تو اسے بھی قبول نہ کیا جائے گا(۳۴)۔البتہ اہل ذمہ میں سے کوئی شخص کسی غیر مسلم شہری کے خلاف شہادت دے تو اسے قبول کر لیا جائے گا کیوں کہ:"شهادة اهل الذمة حجة على الذمى" (۳۵)ذمی کے خلاف دیگر اہل ذمہ کی شہادت قابل حجت ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کے خلاف ذمی کی شہادت کا معاملہ ہے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا کیوں کہ اسلامی قانون کے مطابق شہادت کا معاملہ مسلمانوں کے دینی معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔اس لیے ذمی کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔ جیسے کوئی ذمی کسی پانی کے نجس ہونے کی خبر دے تو اسے قبول نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ پانی کے پاک یا نجس ہونے کا معاملہ مسلمانوں کے دینی معاملات سے تعلق رکھتا ہے(۳۶)۔

زمین کی آبادکاری

اسلامی ریاست میں غیر آباد زمین اگر کوئی غیر مسلم شہری آباد کر لے تو وہ اس کی ایسے ہی جائز ملکیت تصور کی جائے گی جیسے کسی عام مسلمان شہری کی تصور کی جاتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ایسی زمینوں سے متعلق ارشاد ہے:"من احياء ارضاً مواتاً فهى له"(۳۷)(جو کوئی (مسلم وغیر مسلم) غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اسی کی شمار ہوگی)۔فقہاء میں سے امام ابوحنیفہؒ نے اسے حکومت کی اجازت سے مشروط کیا ہے تاکہ کسی قسم کے جھگڑے کا احتمال پیدا نہ ہو(۳۸)۔قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایسی غیر آباد زمین اسی شخص کی تصور کی جائے گی جو اسے آباد کرے۔اس کے علاوہ کوئی شخص اس کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔خواہ وہ خود اسے کاشت کرے یا کسی دوسرے سے کاشت کروائے یا ٹھیکے پر دے،اس میں نہر نکالے یا کسی اور مفید کام میں لائے کیوں کہ اب یہ اسی کا حق ہے۔البتہ اگر وہ عشری زمینوں کے قریب ہو تو عشر اور اگر خراجی زمینوں کے قریب ہو تو اسے خراج دینا ضروری ہوگا(۳۹)۔امام احمد بن حنبلؒ بھی ایسی زمین کی آبادکاری پر غیر مسلم شہری کو مسلمان کی مانند اس کا مالک قرار دیتے ہیں(۴۰)۔

سمندر سے نکالی جانے والی اشیاء کا حکم

اسلامی ریاست کا کوئی بھی شہری خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم سمندر سے جو بھی اشیاء نکالے تو ریاست اس سے 20% ٹیکس لینے کی حقدار ہوتی ہے خواہ وہ ہیرے جواہرات ہوں یا مچھلی کا شکار ہو۔امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابولیلیٰؒ،قاضی ابی یوسفؒ مذکورہ بالا دو چیزوں کے علاوہ دیگر سمندری چیزوں کو ٹیکس سے مستثنا قرار دیتے ہیں(۴۱)۔قدیم زمانے میں شاید یہی دو کارآمد چیزیں عام طور پر سمندر سے نکالی جاتی ہوں گی جن سے عام لوگ مستفید ہوتے تھے اس لیے بقیہ چیزوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ جب کہ دور حاضر میں سمندر سے گیس اور تیل ایسی مفید اور مہنگی چیزیں بھی نکالی جاتی ہیں

جن کا بین الاقوامی سطح پر کاروبار ہوتا ہے۔لہذا عصر حاضر میں ایسی ملٹی نیشنل کمپنیوں سے 20% ٹیکس لیا جائے تو درست معلوم ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا ایک فرمان بڑی حد تک واضح ہے جس میں آپؓ فرماتے ہیں کہ:

"فیما أخرج اللّٰہ من البحر الخمس" (۴۲) (یعنی جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے سمندر سے نکالی ہو اس پر خمس [20% ٹیکس] ہے)۔

تجارتی ٹیکس کی ادائیگی

فقہائے اسلام کے نزدیک اسلامی ریاست کی حدود میں اہل ذمہ اگر تجارت کریں اور ان کا مال تجارت ایک خاص حد (۴۳) سے تجاوز کر جائے تو ان پر نصف عشر (5%) کے حساب سے ٹیکس لگایا جائے گا جس کی ادائیگی ان پر لازم ہوگی، جب کہ مسلمانوں پر یہ شرح ڈھائی فیصد ہی رہے گی (۴۴)۔تجارتی ٹیکس کی یہ شرح اگرچہ قدیم دور میں اسلامی یاست کی حدود میں رائج رہی ہے لیکن یہ شرح کسی نص پر مبنی مستقل ریاست کا اصول یا پالیسی نہیں ہے بلکہ صحابہ کرامؓ نے اسے اپنے دور میں بین الاقوامی حالات کے تناظر میں اجتہاد کے ذریعے اختیار کیا تھا۔موجودہ دور میں نئے حالات اور تقاضوں کے تحت تبدیل کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شراب اور خنزیر کی اباحت

اسلامی ریاست کے عمومی قانون کے تحت اہل ذمہ کے لیے شراب اور خنزیر مباح ہیں کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ان کے دینی معاملے سے تعلق رکھتی ہیں۔وہ ان دونوں چیزوں کا آپس میں باہمی طور پر کاروبار کر سکتے ہیں۔ریاست ان کے اس مال اور کاروبار کو جائز قرار دے گی اور ان کے اس طرح کے مال کو مال متقوم تصور کرے گی۔

السرخسی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

" **الخمر و الخنزیر فی حقھم مال متقوم کالبعیر و الشاۃ فی حق المسلمین**"(۴۵)

(شراب اور خنزیر ان کے حق میں ایسے ہی مال متقوم ہیں۔جیسے مسلمانوں کے حق میں اونٹ اور بکری ہیں)۔

اس بنا پر کوئی مسلمان ذمی کے کسی خنزیر کو نقصان پہنچائے تو اسے بطور تاوان اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی جیسے کسی مسلمان کے گدھے کو نقصان پہنچانے پر ادا کی جاتی ہے (۴۶)۔غیر مسلم شہری ان چیزوں کو مرتہن کے پاس بطور رہن بھی رکھوا سکتا ہے کیوں کہ یہ دونوں چیزیں اس کے لیے مال کی حیثیت رکھتی ہیں (۴۷)۔

سود، مردار اور خون کی حرمت

اسلامی ریاست میں سود، مردار اور خون کی حرمت غیر مسلم شہری کے لیے ایسے ہی ہے جیسے کہ کسی عام مسلمان

کے لیے ہوتی ہے۔کیوں کہ یہ چیزیں تمام ادیان میں حرام قرار دی گئیں ہیں۔حرمت سود سے متعلق قرآن مجید میں ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عنه﴾(۴۸)

(سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سی پاک چیزیں جو ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے اور ان کو اس کی ممانعت ہو چکی تھی)۔

اہل کتاب میں سے یہود کی مذہبی کتاب میں ہے:

''تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی اور چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہو''(۴۹)۔

رسول اللہﷺ نے اپنے زمانے میں جب نصاریٰ نجران اور مجوس ہجر سے معاہدات کیے تو ان پر واضح کر دیا تھا کہ جو کوئی شخص ان میں سے سودی معاملہ کرے گا تو اس کے اور ہمارے درمیان عقد ذمہ باقی نہ رہے گا(۵۰)۔

الکاسانی رقمطراز ہیں:

"المیتة و الدم لیسا بمال فی الادیان کلها"(۵۱)

(تمام ادیان میں مردار اور خون مال نہیں ہیں)۔

لہٰذا غیر مسلم شہری سود، مردار اور خون کے معاملے میں اسلامی ریاست کے عمومی قانون کے پابند ہوں گے۔

ریاست سے بغاوت

اسلامی قانون کے مطابق ریاست پر اہل ذمہ کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ وہ ریاست کے ساتھ کیے ہوئے معاہدات اور قانون کی خلاف ورزی نہ کریں۔اگر وہ معاہدات اور قانون کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ریاست کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو پھر ریاست کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ بھی ان سے کیے ہوئے معاہدات سے برأت کا اعلان کر دے اور ان کے خلاف تادیبی کاروائی کرے۔

اس حوالے سے قرآنِ مجید میں واضح طور پر حکم ہے کہ:

﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ o فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ o اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾(۵۲)(جن سے تو نے معاہدہ کیا ہے ان میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے سو اگر کبھی تو پائے ان کو لڑائی میں تو ان کو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پیچھے تا کہ ان کو عبرت ہو اور اگر تجھ کو

ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف اسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر، بے شک اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز)۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جب اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو یہاں آباد عرب قبائل (بنو اوس و خزرج) کے علاوہ یہودیوں سے دفاع ریاست کے حوالے سے جو ''میثاق'' کیا تھا وہ کچھ ہی عرصے بعد تار تار کر دیا تھا۔ جس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ ختم کر کے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی اور انھیں جلاوطن کر دیا۔ ان ہی دلائل کی بنیاد پر علماء اہل ذمہ کے نقض عہد پر ان کے خلاف مقدمہ چلانے اور تادیبی اقدام کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں مثلاً

مسلم بن حجاج القشیریؒ نے ''الجامع الصحیح'' میں اس عنوان سے ایک مستقل باب باندھا ہے:

" باب جواز قتال من نقض العهد و جواز انزال اهل الحصن على حكم حاكم عدل اهل للحكم''(۵۳).

السرخسیؒ لکھتے ہیں:

''اذانقض قوم من اهل الذمة العهد و غلبوا على مدينة فالحكم فيها كالحكم فى المرتدين''(۵۴).

(اہل ذمہ میں سے جب کوئی قوم معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی شہر پر غلبہ حاصل کر لے تو اس کا حکم مرتدین کی مانند ہوگا)۔

الکاسانیؒ رقمطراز ہیں:

''الذمى الذى نقض العهد ولحق بدارالحرب بمنزلة المرتد فى سائر الاحكام من الارث'' (۵۵).

(جو ذمی معاہدہ توڑ کر دار الحرب چلا جائے تو وہ وراثت کے تمام احکام میں مرتد کی مانند ہوتا ہے)۔

امام نوویؒ کے مطابق:

''الذمى اذانقض العهد صار حربى جرت عليه احكام اهل الحرب''(۵۶).

(ذمی نقض معاہدہ کا مرتکب ہو تو وہ حربی بن جاتا ہے اور اس پر اہل حرب کے احکام جاری ہوتے ہیں)۔

مختصراً یہ کہ اسلامی ریاست میں قانون سے بغاوت ایک ایسا بڑا جرم ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اگر کوئی مسلمان ایسی بغاوت کرے تو اسے مرتد کہا جاتا ہے جس کی سزا موت ہے اور اگر غیر مسلم شہری ایسی حرکت کرتا تو وہ بھی اسی کی مانند سزا کا مستحق ٹھہرایا جاتا تھا۔

قاعدہ کلیہ۴: الخراج و الجزیة بمنزلة الضریبة(۵۷)

(خراج اور جزیہ بمنزلہ محصول کے ہیں)۔

خراج وجزیہ اوران کی حیثیت

مذکوہ بالا قاعدے میں خراج اور جزیے کی حیثیت بتائی گئی ہے کہ ماضی میں اسلامی ریاست کی جانب سے غیر مسلموں پر لگائے جانے والے دوطرح کے محصولوں (خراج اور جزیے) کی حیثیت عصر حاضر میں رائج ٹیکس کی مانند ہوا کرتی تھی۔ ریاست کی طرف سے غیر مسلم شہریوں کی زمین کی پیداوار پر جوٹیکس مقرر کیا جاتا تھا اسے خراج جب کہ ان کی ذات پر نافذ ہونے والے ٹیکس کو جزیہ کہتے تھے۔ البتہ جزیے کے معاملے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ ٹیکس چند مخصوص افراد پر جو عموماً کمائی کرنے کے لائق ہوتے تھے صرف ان پر ہی لگایا جاتا تھا ان میں سے ایک کثیر تعداد ایسے طبقات پر بھی مشتمل ہوتی تھی جو اس طرح کے ٹیکس سے مستثنیٰ تھی۔

خراج کی اقسام

کتب فقہ میں خراج کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں (۵۸)۔

(I) خراج مقاسمہ

خراج مقاسمہ سے مراد وہ ٹیکس ہے جو زمین کی پیداوار کی نسبت سے مقرر کیا جاتا تھا۔ یعنی ربع خمس یا نصف وغیرہ۔

(ii) خراج مؤظف:

خراج مؤظف سے مراد وہ ٹیکس ہے جو زمین کے رقبے کی نسبت سے مقرر کیا جاتا تھا۔ یعنی کنال اور ایکڑ کے اعتبار سے۔

خراج اگرچہ غیر مسلم شہریوں پر ایک زرعی ٹیکس تھا جس کا ادا کرنا ضروری ہوتا تھا لیکن یہ ادائیگی اسی وقت ہوتی تھی جب زمین پیداوار دیتی اگر زمین سے پیداوار ہی نہ ہوتی تو خراج بھی نہ ہوتا تھا(۵۹)۔ مثلاً اگر زمین پر پانی چڑھ آتا یا پانی کا سلسلہ منقطع ہوجاتا یا کسی اور آفت کی وجہ سے پیداوار ضائع ہوجاتی تو ان تمام صورتوں میں خراج وصول نہ کیا جاتا تھا۔ البتہ اگر فصل کو جزوی نقصان پہنچتا تو ٹیکس میں بھی اسی قدر کمی کی جاتی تھی کیوں کہ فقہاء کے نزدیک " الخراج بقدر الطاقة" (۶۰) (خراج بقدر پیداواری استطاعت ہوتا ہے)۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ زرعی ٹیکس میں چھوٹ صرف ایسی صورت میں ممکن ہوتی تھی جب فصل کے نقصان میں ٹیکس ادا کرنے والے شخص کا ذاتی عمل دخل کارفرما نہ ہوتا تھا۔ اگر اس کے ذاتی عمل دخل کی وجہ سے فصل کو نقصان پہنچتا یا پیداوار کم ہوتی تو پھر ایسی چھوٹ ہرگز نہ دی جاتی تھی نیز ایسے شخص کو جو

ٹیکس ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیتا یا بروقت ادائیگی نہ کرتا تو اسے قید کیا جاتا اور درے بھی لگائے جاتے تھے(٦١)۔

قاعدہ کلیہ ۵: الجزیة واجبة علی جمیع اھل الذمة(٦٢)

(جزیہ ٹیکس تمام اہل ذمہ پر واجب ہے)۔

جزیہ ٹیکس کی ادائیگی کا وجوب اور شرائط

عصر حاضر میں دنیا بھر کے ممالک میں غریب عوام پر ٹیکسوں کی بھرمار کی وجہ سے قدیم زمانے میں اسلام کے سادہ نظام ٹیکس اور اس کے جواز کو سمجھنا اتنا مشکل امر نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو اس وقت عرب سے باہر ایران اور روم جو دنیا کی دو بڑی سلطنتیں تھیں ان میں قدیم زمانے سے عوام پر جزیہ وخراج کے نام سے یہ دونوں ٹیکس نافذ تھے۔ عرب کے جن علاقوں پر ان کا حکم چلتا تھا اور عوام ان کی ماتحتی قبول کر لیتی تھی وہ انھیں یہ دونوں ٹیکس ادا کرتے تھے۔ چنانچہ جب نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم مسلمان تو نہیں ہوتے البتہ ہم آپ ﷺ کی ماتحتی قبول کرتے ہیں اور شہریت اور حفاظت کے عوض جو جزیہ ہم پر عائد کیا جائے گا وہ ہم بخوشی ادا کرتے رہیں گے(٦٣)۔ اس بنا پر قرآن مجید میں جیسے مسلمانوں سے صدقہ لینے کا حکم تھا اسی طرح غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم آیا ہے(٦٤)۔ اسی فرمان الٰہی کے تحت رسول اللہ ﷺ نے نجرانیوں اور مجوسیوں سے جزیہ لیا۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے صابیوں سے، اور خلفائے بنو امیہ و بنو عباس نے سندھ کے ہندوؤں اور پیروان بدھ سے جزیہ لینا ثابت ہے(٦٥)۔ فقہاء کے نزدیک ریاست کا غیر مسلموں پر جزیہ کا نفاد درست اور جائز اقدام ہے(٦٦)۔

شرائط جزیہ

اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہریوں سے جزیہ وصول کرنا چوں کہ دیگر احکام شرعیہ کی طرح ایک شرعی حکم تھا اس لیے اس حکم کے نفاذ کے وقت مکلّف میں اہلیت اور استطاعت کے پائے جانے کو ضرور دیکھا جاتا تھا۔ اگر کسی غیر مسلم میں شریعت اسلامیہ کی متعین کردہ شرائط نہ پائی جاتیں تو ریاستی کارندے کسی غیر مسلم سے بالجبر جزیہ لینے کے مجاز نہ ہوتے تھے۔ جزیہ کس پر اور کب لازم ہوتا ہے اس کے لیے فقہاء کرامؒ نے درج ذیل شرائط کا ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ مرد ہو

جزیہ واجب ہونے کی پہلی شرط یہ ہوتی تھی کہ غیر مسلم شہری مرد ہو عورت نہ ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جزیہ صرف اس غیر مسلم شہری پر واجب فرمایا ہے جو اہل قتال میں سے ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ...﴾(٦٧) ''یہاں لفظ ﴿قَاتِلُوا﴾ باب مفاعلہ میں سے ہے اور باب مفاعلہ کی ایک خاصیت مشارکت

ہوتی ہے یعنی دو شخصوں کا اس طرح مل کر کام کرنا کہ ایک کا فعل دوسرے پر واقع ہو لہذا یہاں دونوں فریقوں کی طرف سے لڑائی ضروری ہے۔ جنگوں میں چوں کہ مرد کام آتے ہیں اس لیے جزیہ بھی صرف مردوں پر ہی واجب ہوگا عورتوں پر نہیں (٦٨)۔

٢۔ بالغ ہو

جزیہ کے وجوب کے لیے دوسری شرط غیر مسلم شہری کا بالغ ہونا ہوتا تھا۔ شریعت اسلامیہ نے چوں کہ بچوں کو شرعی احکام کا مخاطب نہیں بنایا اور نہ ہی انہیں کسی حکم کا مکلّف ٹھہرایا ہے اس لیے کسی غیر مسلم کے بچے پر جزیہ عائد نہ ہوتا تھا۔ بلکہ یہ ٹیکس صرف غیر مسلموں کے بالغ افراد پر عائد ہوتا تھا (٦٩)۔

٣۔ عقل و شعور ہو

جزیہ کے وجوب کی ایک شرط غیر مسلم شہری کا صاحب عقل و شعور ہونا بھی ہوتا تھا۔ اس لیے کہ شریعت کے احکام پاگل اور مجنون شخص پر لاگو نہیں ہوتے۔ نیز ایسا شخص چوں کہ جنگ میں مقابلے پر بھی نہیں آ سکتا اس لیے یہ جزیے کے حکم کا مخاطب نہ بنتا تھا (٧٠)۔

جزیے سے مستثنیٰ چند طبقات

اسلامی ریاست میں جزیے کی ادائیگی سے چند طبقات کو استثناء حاصل تھا جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

١۔ بچے، عورتیں اور فاتر العقل

فقہ اسلامی کے مطابق بچوں، عورتیں اور فاتر العقل چوں کہ عام طور پر جنگوں میں شریک نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی یہ کاروبار کر سکتے تھے اس لیے اسلامی ریاست میں ہمیشہ بچے اور عورتیں جزیہ ٹیکس سے مستثنیٰ رہے ہیں۔

ابن قدامہ رقم طراز ہیں:

"**ولا جزية على صبى ولا زائل العقل ولا امرأة**" (٧١).

(اور جزیہ بچے پر ہے اور نہ ہی فاتر العقل اور عورت پر)۔

اس مسلک میں فقہ اسلامی کے تمام فقہائے کرامؒ بالعموم اور فقہائے اربعہؒ کے مابین بالخصوص کسی کا اختلاف نہیں ہے (٧٢)۔

٢۔ فقراء اور مساکین

فقہاء کے نزدیک جزیے کے حکم سے وہ افراد بھی مستثنیٰ ہوتے تھے جن کی آمدن اخراجات کی نسبت کم ہو یا بالکل ہی نہ ہوتی تھی (٧٣)۔

قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں:

" ولا توخذ الجزیة من المسکین الذی یتصدق علیه"(۷۴).

(جزیہ اس مسکین سے بھی نہ لیا جائے جس پر صدقہ کیا جا سکتا ہو)۔

ابن قیم لکھتے ہیں:

" ولاجزیة علی فقیر عاجز عن ادا ئها: هذا قول الجمهور"(۷۵).

(ایسے فقیر پر جزیہ نہیں ہوتا جو اسے ادا کرنے سے قاصر ہو اور یہ جمہور کا قول ہے)۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کا معروف واقعہ ہے کہ آپ نے مدینے میں ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا کہ تم بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟ جواب میں اس نے عرض کیا کہ میرے پاس جزیے کے لیے پیسے نہیں ہیں اس لیے بھیک مانگ رہا ہوں۔ آپؓ نے اسی وقت اس کا جزیہ معاف کر کے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا تھا(۷۶)۔

الغرض ماضی اسلامی ریاست ایسے فقرا و مساکین سے جزیہ لینے کی بجائے ان کی مالی معاونت کرنے کی پابند ہوا کرتی تھی۔

۳۔نابینا افراد، دائمی مریض، اپاہج اور بوڑھے

اسلامی قانون کے مطابق جزیے سے مستثنیٰ وہ افراد بھی شامل ہوتے تھے جو مادر زاد اندھے ہوتے یا کسی بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے ان کی نظر چلی جاتی تھی اور ان کی مستقل آمدن کا کوئی ذریعہ بھی نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح دائمی مریض، اپاہج اور بوڑھے شخص کا معاملہ تھا۔ چوں کہ یہ افراد کا بھی معذورین میں شمار ہوتے تھے اس لیے ان پر بھی جزیہ واجب نہ ہوتا تھا، البتہ اگر یہ خوش حال ہوتے اور آسانی سے جزیہ دے سکتے تو پھر دوسری صورت تھی(۷۷)۔

۴۔مذہبی پیشوا اور راہب

جزیے سے مستثنیٰ افراد میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے تھے جو عام طور پر لوگوں سے میل ملاقات رکھنے کی بجائے ان سے دور عبادت گاہوں میں تنہا بیٹھے دن رات عبادت میں مصروف رہتے تھے یا انہوں نے اپنے آپ کو مذہبی کاموں کے لیے وقف کر رکھا ہوتا تھا۔ چوں کہ یہ لوگ کام کاج وغیرہ نہیں کرتے تھے اس لیے انہیں بھی جزیے ایسی تکلیف سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ ان میں پادری، راہب، پنڈت، پروہت ایسے لوگ شامل تھے۔ البتہ ان میں کچھ لوگ مالی لحاظ سے خوش حال ہوتے اور لوگوں سے میل ملاقات بھی رکھتے تو ان سے بھی جزیہ لیا جاتا تھا(۷۸)۔

۵۔اسلام قبول کرنے والے

مسلمانوں پر چوں کہ زکواۃ و عشر کے علاوہ اور بہت سے صدقات لازم ہوتے تھے اس لیے ان پر جزیہ ٹیکس عائد نہ ہوتا

تھا۔اس بنا پر اگر کوئی غیر مسلم شہری اپنے ذوق وشوق اور مرضی سے اسلام قبول کر لیتا تو اس سے جزیہ معاف کر دیا جاتا خواہ وہ کتنے ہی سالوں کا بقایا ہوتا(۷۹)۔

۶۔حقوق کے تحفظ میں ناکامی

جزیہ چوں کہ غیر مسلموں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے عوض لیا جاتا تھا اس لیے اگر کسی موقعے پر ریاست ان کے حقوق کی تحفظ کرنے میں ناکام ہو جاتی تو وہ ٹیکس بھی لینے کی مجاز نہ رہتی تھی اور ان کا یہ ٹیکس معاف کر دیا جاتا تھا۔خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرۃ سے معاہدہ کرتے وقت انہیں لکھ کر دیا تھا کہ اگر ہم تمہارا دفاع کر سکے تو جزیہ لینا ہمارا حق ہوگا اگر نہیں تو نہیں، تاوقتیکہ ہم تمہارے تحفظ اور دفاع کے قابل ہو جائیں(۸۰)۔ابوعبیدہؓ کی گورنری کے زمانے میں شام کے بعض مفتوحہ علاقوں کو چھوڑنا پڑا تو آپ نے اپنے امراء کو لکھا کہ جو کچھ تم نے اہل ذمہ سے جزیہ وخراج لیا تھا وہ انہیں واپس کر دو اور ان سے کہو کہ:

"انما رددناکم علیکم أموالکم لأنہ قد بلغنا ما جمع لنامن الجموع وأنکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم و إنّا لا نقدر علی ذلک، وقد رددنا علیکم ماأخذنامنکم"(۸۱).

(ہم تمہارے اموال (جزیہ وخراج) واپس کر رہے ہیں کیوں کہ ہمیں خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ (رومیوں نے) ہمارے خلاف افواج اکٹھی کر رکھی ہیں اور تم نے ہمارے ساتھ اس بنیاد پر صلح کی تھی کہ ہم تمہارا دفاع کریں گے،اس وقت ہم دفاع سے قاصر ہیں۔اس لیے جو کچھ ہم نے تم سے لیا تھا واپس کر رہے ہیں)(۸۲)۔

یہ وہی چیز ہے جسے بعد کے ادوار میں اسلامی ریاست کے بنیادی اصول وضوابط میں شمار کیا گیا اور فقہائے کرامؒ نے اس طرز عمل سے قاعدہ کلیہ اخذ کیا جسے حسب ذیل الفاظ میں روایت کیا جاتا ہے:

"الجبایۃ بازاء الحمایۃ"(۸۳).

(ٹیکس کی وصولی تحفظ دینے کے مقابلے میں ہوتی ہے)۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا بحث اور تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں مسلم اور غیر مسلم حقوق کے حوالے سے دونوں برابر ہوتے ہیں۔جس طرح مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ریاست کی ذمے دار ہوتی ہے اسی طرح غیر مسلم شہری بھی یہ حق رکھتا ہے کہ اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو۔ریاست اسے اس کے اپنے عقیدے اور مذہب کے مطابق عبادات کرنے، شادی و بیاہ اور وفات وغیرہ کی تمام رسومات ادا کرنے کی نہ صرف اجازت دیتی ہے بلکہ ان کی حفاظت بھی کرتی ہے۔غیر مسلم ریاست کے کسی بھی حصے میں رہنے اور کاروبار کرنے کا قانونی

حق رکھتے ہیں۔اگرکوئی شخص ان کے جان ومال اورعزت وآبروکونقصان پہنچائے تو ریاست اس کی تلافی کی ذمے دار ہوتی ہے۔ریاست غیر مسلموں پر جزیہ اورخراج کے نام سے دوطرح کے ٹیکس عائد کرتی ہے۔ان میں بھی اگرکوئی غیر مسلم غریب ومسکین ہو یا وہ کسی قسم کی کمائی کرنے کے قابل نہ ہوان پر ان ٹیکسوں کا اطلاق نہ ہوگا۔اگرکوئی فرد مسلح افواج مین ملازمت اختیار کرلے یا کوئی اورکوئی ایسا کردارادا کرے جودفاع ریاست سے متعلقہ ہوتو پھر بھی ٹیکس معاف ہوجاتا ہے۔اس کے علاوہ بوڑھوں،معذوروں،بچوں،مذہبی رہنماوں اورعورتوں پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں ہے۔اگرکوئی غیر مسلم اسلامی ریاست کی شہریت چھوڑ دے یا اس کا انتقال ہوجائے تو اس کے ذمے واجب الاداء بقایا ٹیکس معاف کردیا جاتا ہےاوراس لے ورثاء کے ذمے کسی قسم کا ٹیکس نہیں ڈالا جاتا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سھل، ابوبکر (م ۴۸۰ھ/۱۰۹۷ء) شرح السیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء، ۲۳۹/۱۔

۲۔ قلعہ جی، محمد رواس وحامد صادق قنیبی، **معجم لغة الفقهاء**، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی (س۔ن) ص: ۲۱۴۔

۳۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے جس کے بدلے میں وہ زکواۃ سے دوگنا ٹیکس ادا کریں گے۔
(دیکھئے: السرخسی، "المبسوط"، دار المعرفۃ، لبنان، ۱۴۰۶ھ، ۱۱۹/۱۰)۔

۴۔ سورۃ المآئدۃ ۵:۳۲۔

۵۔ سورۃ المآئدۃ ۵:۴۵۔

۶۔ القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۲۴۶/۲۔

۷۔ سورۃ البقرۃ ۲:۱۷۸۔

۸۔ نسائی، احمد بن شعیب، ابوعبدالرحمٰن (م ۳۰۳ھ/۹۱۵ء)، السنن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء کتاب القسامۃ، باب تعظیم قتل المعاہد (ح ۴۷۴۲/۸) ۲۲۵/۵۔

۹۔ شافعی، محمد بن ادریس، ابوعبداللہ، المسند، دار الکتاب العلمیۃ، بیروت (س۔ن)، کتاب الدیات والقصاص، ص: ۳۴۳۔

۱۰۔ سرخسی، المبسوط، ۱۳۲/۲۔

۱۱۔ شافعی، کتاب مذکور، ص: ۳۴۴۔

۱۲۔ ابویوسف، قاضی، یعقوب بن ابراہیم الانصاری (م ۱۸۲ھ/۷۹۸ھ)، کتاب الخراج، تحقیق محمد ابراہیم البنا، مکتبہ فاورقیہ، پشاور، ۱۹۸۱ء ص: ۲۵۸۔

۱۳۔ ابن قدامۃ، احمد بن المقدسی (م ۶۲۰ھ/۱۲۲۳ء)، المغنی فی الفقه، ۳۲۳/۱۰۔

۱۴۔ سرخسی، المبسوط، ص ۱۳۲/۲۶؛ بھوتی، کشاف القناع، ۱۴۲/۶؛ مرداوی، الانصاف، ۱۸۱/۱۰؛
ابن نجیم، البحر الرائق، ۳۳۷/۸۔

۱۵۔ حصکفی، محمد علی بن محمد، الدر المختار، داالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۳ھ، ۱۷۰/۴۔

۱۶۔ شافعی، محمد بن ادریس، ابوعبداللہ، الأم، داالمعرفۃ، بیروت، لبنان، 1393ھ، ۱۳۹/۶؛ الشیبانی محمد بن حسن (م ۱۸۹ھ/۸۰۵ء)، الجامع الصغیر، عالم الکتب، بیروت، لبنان (۱۴۰۶ھ) ص: ۲۸۱؛ المرغینانی، الهداية، ۱۰۳/۲؛ ابن نجیم، البحر الرائق، ۱۴/۱۹۔

۱۷۔ سرخسی، المبسوط، ۱۱۰/۱۰۔

۱۸۔ سورۃ البقرۃ، ۲:۲۵۶۔

۱۹۔ سورۃ یونس، ۱۰:۹۹۔

۲۰۔ سورۃ الرعد، ۱۳:۴۰۔

۲۱۔ سورۃ یٰسٓ، ۳:۱۶۔۱۷۔

۲۲۔ سورۃالکہف، ۱۸:۲۹۔
۲۳۔ سورۃالدھر، ۷٦:۳۔
۲۴۔ جصاص، أحکام القرآن، ۲/۱۸۷۔
۲۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم،۱/۳۱۱۔
۲٦۔ سرخسی،شرح السیر الکبیر،ص۵/۸۹؛ مصنف مذکور،المبسوط،۱۰/۸۴، ۱۰/۸۵، ۱۰/۸۹۔
۲۷۔ شیبانی،السیر الکبیر، ۵/۳۲۸۔
۲۸۔ جصاص،أحکام القرآن ،۴/۲۹۴؛کاسانی،بدائع الصنائع ،ص۷/۱۱۱؛رازی،محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر (م٦٦٦ھ/۱۲٦۷ء) ، تحفۃالملوک،دارلبشائرالاسلامیۃ،بیروت(۱۴۱۷ھ)ص:۱۸۹۔
۲۹۔ کاسانی،بدائع الصنائع، ۷/۱۱۲۔
۳۰۔ ابویوسف، کتاب الخراج،ص:۳۴۸۔
۳۱۔ ابویوسف،کتاب مذکور،ص:۳۴۹۔
۳۲۔ ایضاً۔
۳۳۔ شیبانی، السیر الکبیر،۱/۲۱۵۔
۳۴۔ سرخسی،شرح السیر الکبیر، ۱/۲۴۰۔
۳۵۔ سرخسی،کتاب مذکور،۱/۲۴۱۔
۳٦۔ سرخسی،کتاب مذکور،۵/۳۳۸ومابعد
۳۷۔ ہیثمی،علی بن ابی بکر(م۸۰۷ھ/۱۴۰۴ء)مجمع الزوائد،دارالکتاب العربی،بیروت(۱۴۰۷ھ)باب احیاء الموات،۴/۱۵۷۔
۳۸۔ ابویوسف، کتاب الخراج،ص:۱۳۸۔
۳۹۔ ابویوسف،کتاب مذکور،ص:۱۴۰۔۱۴۱۔
۴۰۔ ابن قیم،محمد بن ابی بکر(م۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) أحکام اھل الذمۃ،دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان(س۔ن)،۱/۱۴٦۔
۴۱۔ ابویوسف،کتاب مذکور،ص:۱۵۱۔
۴۲۔ ایضاً۔
۴۳۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ حد۲۰۰درھم مقرر کی گئی تھی اوراس سے کم پر ٹیکس نہیں تھا۔" ولیس فیما وون المائتین شی" (کتاب الخراج،ص:۲۷٦)۔
۴۴۔ ابویوسف،کتاب مذکور،ص:۲۷٦۔
۴۵۔ سرخسی،المبسوط، ۱۴/۱۴۸۔
۴٦۔ سرخسی،کتاب مذکور،۵/۴۵؛ ابن نجیم ، البحر الرائق، ۸/۱۴۰۔
۴۷۔ الکاسانی،بدائع الصنائع، ۵/۱۳۵۔

۴۸۔ سورۃ النسآء، ۴:۱۶۰۔۱۶۱۔

۴۹۔ تورات، استثنا، باب ۲۳ آیت ۱۹، ص:۱۸۸

۵۰۔ سرخسی نے اس معاہدے کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ اس طرح ہیں:" من اربی فلیس بیننا و بینه عهد"
(دیکھیے: المبسوط، ۵۸/۱۴)۔

۵۱۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۱۴۷/۷۔

۵۲۔ سورۃ الانفال، ۸:۵۶۔۵۷۔

۵۳۔ مسلم، الصحیح، ۱۳۸۸/۳۔

۵۴۔ سرخسی، المبسوط، ۱۱۶/۱۰۔

۵۵۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۱۴۰/۷۔

۵۶۔ نووی، یحییٰ بن شرف، ابوزکریا (م ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) شرح النووی علی صحیح مسلم، داراحیاء التراث العربی (۱۳۹۲ء) الثانیۃ، ۹۱/۱۲۔

۵۷۔ سرخسی، أصول السرخسی، ۶۹/۱۔

۵۸۔ قلعہ جی، محمد رواس و حامد صادق قنیبی، کتاب مذکور ص:۱۹۴۔

۵۹۔ دیکھیے: سرخسی، المبسوط، ۸۳/۱۰؛ المرغینانی، الهدایة، ۱۵۸/۲؛ ابن الھمام، شرح فتح القدیر ۳۸/۶؛ ابن نجیم، البحر الرائق، ۱۱۷/۵؛ ابن قیم، م۔ن، ۱۰۷/۱۔

۶۰۔ سرخسی، کتاب مذکور، ۸۲/۱۰۔

۶۱۔ دیکھیے: ابن قیم، کتاب مذکور۔، ۱۰۶/۱۔

۶۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص:۲۵۳۔

۶۳۔ دیکھیے: ابو یوسف، کتاب مذکور، ص:۱۵۷ و مابعد؛ ابن قیم، کتاب مذکور، ۳۹/۱۔

۶۴۔ سورۃ التوبۃ، ۹:۲۹۔

۶۵۔ آزاد، احمد بن خیرالدین (م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) ابوالکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی اردو بازار، لاہور، (س۔ن) ۱۲۲/۲۔

۶۶۔ الجصاص، أحکام القرآن، ۱۸۹/۳۔

۶۷۔ سورۃ التوبۃ، ۹: ۲۹۔

۶۸۔ ابو یوسف، کتاب مذکور، ص:۲۵۳؛ الکاسانی، کتاب مذکور، ۱۱۱/۷۔

۶۹۔ ایضاً۔

۷۰۔ اس سلسلے میں قاضی ابو یوسف کے الفاظ ہیں:" وَ كَذٰلِكَ الْمَغْلُوْبُ عَلَى عَقْلِهٖ لَاتُؤْخَذُ مِنْهُ"، ص:۲۵۴۔

۷۱۔ ابن قدامہ، المغنی، ص:۲۷۰/۹۔

۷۲۔ ایضاً۔

۷۳۔ مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس ضروریات زندگی کے لیے کچھ بھی نہ ہو (اَلْمِسْكِيْنُ الَّذِي لَاشَيْئَ لَهُ) (دیکھیے: القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۶۹/۸)۔

۷۴۔ ابو یوسف، کتاب مذکور، ص: ۲۵۳۔

۷۵۔ ابن قیم، احکام اهل الذمة، ۵۲/۱۔

۷۶۔ دیکھیے: القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۶۹/۸۔

۷۷۔ دیکھیے: ابو یوسف، م۔ن، ص: ۲۵۳؛ ابن قدامہ، م۔ن، ۲۷۲/۹؛ ابن قیم، کتاب مذکور، ۵۳/۱ و مابعد۔

۷۸۔ دیکھیے: ابو یوسف، م۔ن، ص: ۲۵۴؛ ابن قیم، کتاب مذکور، ۵۴/۱۔۵۵۔

۷۹۔ ابن قیم، احکام اهل الذمة، ۱۶۲/۱۔

۸۰۔ الطبری، محمد بن جریر، ابو جعفر (م ۳۱۰ھ/۹۲۳ء)، تاریخ الأمم والملوک، مطبعۃ الحسینیۃ المصریۃ، القاہرہ (۱۳۳۶ء)، ۲۷۰/۲۔

۸۱۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۲۸۲۔۲۸۳۔

۸۲۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ابو عبیدہؓ نے یہ جزیہ اہل حمص کو اس وقت واپس کیا تھا جب ان کے خلاف ہرقل کی فوجیں جنگ یرموک کی تیاری کر رہی تھیں۔ (دیکھیے کتاب مذکور، ص: ۲۰۶)۔

۸۳۔ السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۲۶۲/۵۔